

# معراجِ روح

یکے از تصنیفات  
علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

شائع کردہ: خانہ حکمت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

# ابتدائیہ

”معراج“ کی اہمیت :-

چونکہ ”معراج“ حضرت محمد مصطفیٰ رسول خدا سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالیشان روحانیت و نورانیت اور اللہ تعالیٰ سے قربت و نزدیکی کو ظاہر کرتی ہے، لہذا دین اسلام میں اس سلسلے کے حقائق و معارف جاننے کی بڑی اہمیت و ضرورت ہے، کیوں نہ ہو، جبکہ حضور اکرمؐ کی پاک و پاکیزہ اور بابرکت روحانیت ایسی کامل و مکمل اور جامع معرفت ہے کہ اسی معرفتِ کئی میں کون و مکان کی تمام حقیقتیں اور معرفتیں داخل اور شامل ہیں اور جبکہ یہی معرفت دینِ حق کا سب سے بڑا سرمایہ اور انمول خزانہ ہے، یعنی یہ وہی گنجِ مخفی ہے، جس کا پُر حکمت ذکر حدیثِ قدسی میں فرمایا گیا ہے۔

## معراجِ قُربِ خُداوندی :-

جو حضرات قرآنی حکمتوں کی روشنی میں ہر چیز کی تحقیق کر سکتے ہیں وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ معراج کا مقصد و منشا خُدا تعالیٰ سے رُوحانی طور پر قریب ہو جانا ہے اور یہ فضل و شرف درجہ بدرجہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو حاصل ہے، اور ظاہر ہے کہ رُوحانیت، معرفت اور خُدا کی نزدیکی کئی درجات میں ہے، لہذا معراج بھی رُوحانیت و نورانیت کے کئی مقامات پر محیط ہے، چنانچہ ہر کامل انسان کا رُوحانی عروج و ارتقاء اپنی منزلت کی ایک معراج ہے۔

## حکمتِ قرآن کی ایک خصوصیت :-

یہ بات قرآنی حکمت کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ ایک ہی حقیقت کو طرح طرح کی مثالوں میں اور قسم قسم کے الفاظ میں بیان کرتا ہے، جیسے اگر حضرت موسیٰؑ کو کلیم اللہ (خُدا سے کلام کرنے والا) کہا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ خُداوند تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا مرتبہ صرف اور صرف جناب موسیٰؑ کی ذات تک محدود تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسی طرح دوسرے کئی انبیاءِ عظامؑ کی بھی تعریف کی گئی ہے، مگر جیسا کہ کہا گیا ظاہری طور پر مثالوں اور لفظوں میں فرق ہونے کی وجہ سے عوام اس مطلب کو نہیں سمجھتے ہیں۔

اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ معراج بدرجہ اتم رحمتِ عالمِ فخرِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو حاصل ہے، تاہم معراج ذیلی درجات میں بحیثیتِ رُوحانیت تمام انبیاء و اولیاء کو بھی شامل کر لیتی ہے، بلکہ ان کے پیچھے پیچھے یہ فضیلت ہر اُس حقیقی مومن کے لئے بھی ممکن ہے جو حضورِ اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ اور اُسوۂ حسنہ کے مطابق دین پر عمل کرتا ہے، آپ اس حقیقت کی شہادت کو قرآن کی ۳۳/۲۱ میں دیکھ سکتے ہیں۔

## معراج اور معرفت :-

اگر یہ اصول مانا جائے کہ معراج دائرۂ معرفت کے اندر ہے اور یہ بھی قبول ہو کہ معرفت یعنی پہچانِ رُوحانیت کے مشاہدات میں ہے، تو پھر اس کے معنی یوں ہوں گے کہ معراج کے تمام واقعات اہل معرفت کے رُوحانی مشاہدات میں سے ہیں۔

## اللہ تعالیٰ کی سُنّت :-

اللہ پاک کی سُنّت و عادت یعنی قانونِ الہی ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے (۳۳/۶۲) اور اس میں بنیادی طور پر کبھی تبدیلی نہیں آتی ہے (۶۷/۳۳) اور خدا سے واصل ہو جانے کا راستہ بھی صرف ایک ہی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ دینِ اسلام قدیم ہے اور اس کی کوئی چیز اساسی طور پر نئی نہیں، چنانچہ معراج انبیائے سلف کے رُوحانی واقعات میں ٹپسڈ

مٹی، اور حضرت خاتم الانبیاء پر آکر ٹوڑی طرح سے اس کا رُوحانی ظہور ہوا  
اس کے یہ معنی ہوتے کہ انبیائے قرآن کے تذکروں سے بھی واقعہ معراج  
کی وضاحت ہو سکتی ہے، چنانچہ قرآنِ مقدس کا ارشاد ہے کہ :-

وقال انی ذٰلک اٰھبٌ الی ربی سیہدین ۳۶۹۹

اور ابراہیم کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ  
مجھ کو ہدایت کر دے گا۔ اس آیت کریمہ کی حکمت سے یہ حقیقت صاف صاف  
روشن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے پروردگار کی طرف چلا جانا  
رُوحانی اعتبار سے درست ہے جسما فی لحاظ سے نہیں، اسی رُوحانی سفر  
کو ہم ابراہیم خلیل اللہ کی "معراجِ رُوح" قرار دے سکتے ہیں، اور یہیں  
سے آنحضرت کے سفرِ رُوحانیت اور معراجِ نورانیت کا ایک روشن ثبوت  
بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔

## اسما عیلت کی روشنی میں :-

حضرت مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کے مبارک ارشادات  
کا ایک خاص حصہ رُوح اور رُوحانیت کی حقیقتوں کے بارے میں ہے جس  
کے بغور مطالعے سے مومنین پر یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ معراجِ رُوحانی  
طور پر پیش آتی ہے، حکیم پیر ناصر خسرو قدس سرہ کی شہرہ آفاق کتاب  
"وجہ دین" میں بھی اس امرِ واقعی کے کئی واضح اشارے ملتے ہیں، خصوصاً  
کلام نمبر ۱۵ کی فصل نمبر ۴ میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اکرم رُوحانی معراج

کے سلسلے میں نفسِ کُل کے آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔

## تصوف کی روشنی میں :-

صوفیوں کے نزدیک بھی یہ تصور درست اور حقیقت ہے کہ رسولِ خداؐ کو واقعہ معراج کشفِ باطن اور عروجِ روحانیت کے سلسلے میں پیش آیا ہے، چنانچہ سرمد کہتے ہیں :-

آن را کہ سر حقیقتش باورشُد  
خود بہن تراز سپہر بہن اور شد  
ملا گوید کہ بر شد احمد فلک  
سرمد گوید فلک بہ احمد و شد

ترجمہ :- جس کو اپنی حقیقت (یعنی انانیت و خودی یا ذات کی معرفت) کے بھید کا یقین آ گیا تو وہ خود (باطن میں) اس وسیع کائنات سے بھی زیادہ وسیع ہو گیا، ملا کہتا ہے کہ احمد (معراج کی رات) جسمانیت میں آسمان پر گئے، لیکن سرمد کا کہنا ہے کہ فلک (روحانی طور پر) احمد میں داخل اور شامل ہو گیا۔

## یہ کتابچہ :-

جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ کتابچہ تین مقالوں کا مجموعہ ہے (الف) معراجِ روح (ب) روح اور روحانیت (ج) نور کی کیفیت و حقیقت،

ہر چند کہ یہ مقالے مربوط کتابی منصوبے کے بغیر مختلف موقعوں پر الگ الگ لکھے گئے تھے، اس لئے ان کے آپس میں نمایاں طور پر ربط و تعلق نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ذرا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان تینوں مقالوں کا ایک ہی موضوع ہے اور وہ رُوحانیت ہے، چنانچہ ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ان میں معنویت و حقیقت کے اعتبار سے مکمل ربط و رشتہ موجود ہے اور یہ ایک دوسرے کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں۔

## خانہٴ حکمت اور عارف :-

”خانہٴ حکمت“ اور ”عارف“ ہمارے عزیزوں کے دو علمی ادارے ہیں، اور اگر حقیقی معنوں میں دیکھا جائے تو یہ دو نہیں بلکہ ایک ہی جمعیت ہے، پس زہے سعادت اور زہے مسرت و شادمانی! کہ ہمارے عزیزان جذبہٴ خدمت اور اتفاق و اتحاد کی رُوح میں ایک ہو کر فردِ واحد کی طرح کام کر رہے ہیں، وہ اس راز کو بخوبی جانتے ہیں کہ دینی خدمت کی شیرینی اور خوشی یکدلی اور یک جہتی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے سوا خدا کی خوشنودی ممکن ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ان دونوں اداروں کے معزز اراکین کی یہ دینی اور رُوحانی اُخوت و یگانگت رحمتِ خداوندی کی ایک صورت ہے، پس شکر ہے پروردگارِ عالم کی اس عظیم نعمت کا کہ اُس قادرِ مطلق نے اپنی خصوصی رحمت سے ہمارے عزیزوں پر نوازشوں کی بارش برسادی ہے، جس کی بدولت وہ خود نمائی اور خود غمی

یسی آلاتشوں سے پاک و پاکیزہ ہو چکے ہیں۔

قرآن حکیم کا ایک مفہوم یہ ہے کہ حقیقی مومنین خدا کی نظر میں صدیقوں اور شہیدوں کی طرح ہیں، انکو اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں اجرا اور نور عطا کرتا ہے (۵۷/۱۹) اس مطلب کی وضاحت یہ ہے کہ شہید دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو دین کی حفاظت و سلامتی اور سر بلندی و ترقی کی خاطر اپنی جانِ عزیز کو بیدریغ قربان کر دیتا ہے، دوسرا وہ جو بالکل یہی جذبہ رکھتا ہے مگر مذہب اس کی جانی قربانی کا تقاضا نہیں کرتا، لہذا وہ دوسری عظیم قربانیوں سے دینی مقاصد کی تکمیل میں مصروف رہتا ہے۔ اس بیان سے ہمارے عزیزوں کی علمی خدمت کی فضیلت ظاہر ہے۔

پروردگارا! تو اپنی رحمت بے نہایت سے مجملہ جماعت کو دین و دنیا کی عافیت و سلامتی عطا فرما! تو مومنین کی ہر مشکل آسان کر دے! ان کو تمام نیک گوششوں میں کامیابی نصیب ہو!

یا خداوند برحق! تیری بے پناہ رحمت سے بعید نہیں کہ تو ہمارے عزیزوں پر اور زیادہ مہربان ہو جاتے، ان کی جان، اولاد، مال اور کسب میں طرح طرح کی برکتیں پیدا کرے، ان کے علم میں اضافہ اور عبادت میں ترقی ہو، انکو عالی ہمتی اور اولوالعزمی کا درجہ ملے، اور یہ دنیا و آخرت کی رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال ہو جائیں۔

فقط علمی خادم

نصیر الدین نصیر ہونزانی

جمعہ ۳ شعبان ۱۳۹۹ھ

۲۹ جون ۱۹۷۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## معراجِ رُوح

معراج کے لغوی معنی ہیں آلہ عروج (اوپر چڑھنے کا آلہ) یعنی بیڑھی اور زمین، اور اصطلاحاً اس کے معنی ہیں آنحضرت صلعم کی معراج جو آپ کو بقول نبوت کے بارہویں سال میں ہوئی تھی، جس میں حضور اکرم رُوحِ کلی کے آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔

اس عظیم واقعہ کے متعلق دو قسم کے نظریے قائم کئے گئے ہیں، یعنی علمائے دین کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ خاتم انبیاء صلعم کی معراج جسمانی طور پر ہوئی تھی، اور آپ اپنے جسمِ اطہر کے ساتھ اس جسمانی اور ظاہری آسمان پر تشریف لے گئے تھے، دوسرے گروہ کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت کی یہ معراج جسمانی نہیں بلکہ رُوحانی تھی، اور اس بارے میں میرا ذاتی عقیدہ بھی یہی ہے، لہذا ذیل میں معراجِ رُوح کی بابت چند روشن دلائل و براہین درج کئے جاتے ہیں :-

دلیل ۱: آپ سورۃ معارج (۷۰) کے شروع کی چار آیتوں کا بغور مطالعہ کریں، آپ ان آیات کی روشنی میں اس متعلقہ حقیقت کا بخوبی شاہد

کریں گے کہ خدائے بزرگ و برتر جو سیڑھیوں (یعنی درجات) کا مالک ہے، اس کے حضور کی بلندی کی طرف صرف فرشتے اور رُوحیں چڑھتی ہیں، ان آیتوں میں ایک طرف لفظ معراج کی جمع معارج کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسری طرف یہ اشارہ فرمایا گیا ہے کہ ان معراجوں یعنی رُوحانیت کے درجات پر سے صرف فرشتے اور رُوحیں چڑھ سکتی ہیں۔

دلیل ۲: سورۃ سجدہ (۳۲) آیت ۵ میں ارشاد ہے، کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین کی طرف امر (رُوح) کی تدبیر کرتا ہے پھر ہر امر (رُوح) اسی کے حضور کی طرف چڑھ جاتا ہے، جس کی مراد یہ ہے کہ رُوح ہی آسمان سے زمین پر اُترتی ہے اور رُوح ہی آسمان پر چڑھتی ہے، اور اس آسمان سے آسمان رُوحانیت مراد ہے۔

دلیل ۳: قرآن حکیم (۱۴۱-۱۵/۱۵) میں ارشاد ہے کہ: اور اگر ہم آسمان کا ایک دروازہ بھی کھولیں اور یہ لوگ دن دہاڑے اس دروازے سے (آسمان پر) چڑھ بھی جائیں تب بھی یہی کہیں گے کہ ہونہ ہو ہماری آنکھیں (نظر بندی سے) متوالی کر دی گئیں (یا نہیں تو) ہم لوگوں پر جاؤ کیا گیا ہے۔ اس آیتِ مقدسہ سے اہل انش کے لئے ظاہر ہے کہ لوگوں کا رُوحانی طور پر آسمان رُوحانیت پر چڑھنا ممکنات میں سے ہے، مگر صرف اُس صورت میں جبکہ اللہ تعالیٰ رُوحانیت کا دروازہ کھول دے، کیونکہ اگر یہ بات اس ظاہری اور مادی آسمان سے متعلق ہوتی تو دروازہ اور اس کے کھولنے کا ذکر ہی نہ ہوتا، جبکہ جسمانی آسمان کا کوئی دروازہ نہیں، اس پر تو لوگ خود بخود جانے لگے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں رُوحانی قسم کا وہ امکانی حال بیان ہوا ہے جس میں کچھ آدمیوں پر کسی تیار ہی کے بغیر یعنی ریاضت کتے بغیر رُوحانیت کا یکایک کشف ہوتا ہے، جس کے مشاہدات ان کی آنکھیں برداشت نہیں کر سکتی ہیں، وہ حیران و پریشان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کسی نے اُن پر جا ڈو کیا ہے۔

دلیل ۴: یہ ارشاد سورۃ فاطر (۳۵) کی آیت دہم کا ہے کہ: پاکیزہ قول اُس (خدا) کی بارگاہ تک عروج کر جاتا ہے اور نیک عمل اس (قول) کو (وہاں تک) اُٹھاتا ہے۔ اس فرمان الہی سے معلوم ہوا کہ انسان کا نیک قول اور نیک عمل ہی خدا کے حضور تک پہنچ سکتا ہے، جس کی مراد رُوح ہے، نہ کہ جسم۔

دلیل ۵: سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) کے آغاز ہی میں فرمایا گیا ہے کہ: وہ خدا پاک و پاکیزہ ہے جو اپنے بندہ کو شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصا کی طرف لے گیا جس کے گردا گرد ہم نے برکتیں مہیا کر رکھی ہیں تاکہ اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں ۱۷، اس آیت مبارکہ میں آنحضرتؐ کی معراج کا ذکر ہے، جس کی تاویل یہ ہے کہ ذکر و عبادت اور کشف و وحایت کا بہترین وقت رات اور خصوصاً رات کا دوسرا حصہ ہے، چنانچہ آنحضرتؐ حسب معمول رات کے وقت ذکر الہی میں محو تھے، کہ بڑے پیمانے پر رُوحانیت کا کشف ہوا اور عالم غیب کا پردہ سامنے سے ہٹ گیا اور یہ واقعہ آنحضرتؐ کو اس وقت پیش آیا، جبکہ آپؐ کو ابتدائی اسم اعظم (مسجد حرام)

سے اٹھا کر دوسرے دُور کے ایک اسمِ عظیم (مسجد اقصا) تک پہنچایا گیا، جس میں اعلیٰ درجے کی برکتیں اور قدرت کی نشانیاں موجود تھیں، یہ سب کچھ حضور کے قلبِ متور اور رُوحِ اقدس میں ہوا، جس کا چشمِ ظاہر سے کوئی تعلق نہیں۔  
 دلیلیے ۴: قرآن حکیم (۲۰-۲۱/۵۱) میں ہے کہ: اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں (قدرتِ خُدا کی) نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفوس میں بھی ہیں تو کیا تم دیکھتے نہیں۔ جانتا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں زمین میں مادی طور پر پھری ہوئی حالت میں ہیں اور نفوسِ انسانی میں رُوحانی طور پر یکجا ہیں، اب جو کامل انسان دیدہ باطن سے خُدا کی اُن نشانوں کا مشاہدہ کرتا ہو، جو اس کی ذات میں پوشیدہ اور مجموع ہیں تو اُسے کہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی، چنانچہ آنحضرتؐ نے اپنی معراجِ رُوحانیت کے موقع پر کائنات و موجودات کی نشانوں کا مشاہدہ اپنی ذاتِ بابرکات ہی میں کیا۔

دلیلیے ۵: سُوْرۃ نُوْر (۲۴) کی آیت ۳۵ میں ارشاد ہوا ہے کہ: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ چنانچہ رُسُولِ خُداؐ کو معراج کی شبِ حق تعالیٰ کے اِس مُقدس نور کی انتہائی قُربت حاصل ہوئی، جس کی روشنی میں حضورؐ نے چشمِ باطن سے آسمان و زمین کے عجائبات کا مشاہدہ کیا، اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے، اور جو کچھ آیات و احادیثِ صحیحہ میں ہے اسی کے مطابق واقعات پیش آئے مگر رُوح اور رُوحانیت میں۔

دلیلیے ۶: سُوْرۃ شوریٰ (۴۲) کی آیت ۵۱ اور ۵۲ میں اِس حقیقت

کی شہادت موجود ہے کہ کسی آدمی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر وحی کے ذریعہ سے (جس میں خدا کا نور خود وحی یعنی اشارہ فرماتا ہے) یا پردہ کے پیچھے سے (خدا بات کرے) یا کوئی فرشتہ بھیجے پھر وہ فرشتہ خدا کے اذن و ارادہ کے مطابق وحی کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے خدا سے ہم کلام ہونے یا وحی حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اسی دُنیا ہی میں سب کچھ ہوا ہے جس میں معراج بھی شامل ہے، اور خدا کی قربت و نزدیکی کے الگ الگ درجات بھی ہیں۔

یہ جاننا نہایت ہی ضروری ہے کہ آیت کریمہ بالا کا ارشاد رُوح اور رُوحانیت کا ایک ایسا جامع اصول ہے، جو وحی خاص، مخاطبہ حجاب اور وحی عام کے علاوہ الہام و القا وغیرہ جیسے ہدایت الہیہ کے تمام درجات پر حاوی اور محیط ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ اصول جس میں رُوحانیت کے تمام درجات شامل ہیں جملہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان مشترک ہے، چنانچہ اگر ہماری نظر حقیقت کی تہ تک نہیں پہنچ سکتی ہو تو وہ اور بات ہے ورنہ ماننا پڑے گا کہ اس آیت پر حکمت کے بموجب انبیائے کرام علیہم السلام کی رُوحانیت کا سب سے بلند ترین درجہ ہے جس میں نور الہی انکوبے حجاب وحی فرماتا ہے، دوسرا درجہ وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ حجاب کے پیچھے سے کلام کرتا ہے اور تیسرا درجہ کوئی فرشتہ بھیج کر وحی کرنے کا ہے، اور یہ سارے درجات آنحضرتؐ کی معراج رُوحانیت میں داخل ہیں، اور انہیں درجات سے متعلق حضورؐ کو ایک نہیں کئی معراجیں

ہوتی ہیں۔

دلیل ۹ : مذکورہ بالا آیت یعنی سورۃ شوریٰ کی آیت ۱ کے بعد اسی مطلب سے مراد آیت کریمہ ۵۲ کا یہ ارشاد ہے :-

وَكَذَلِكَ اَوْحَيْنَا اليك روْحًا مِنْ رَبِّنَا

۲۲/۵۲

اور اسی طرح ہم نے اپنے امر (یعنی عالم امر) سے آپ کی طرف ایک رُوح وحی کر دی۔ اس کا واضح اور روشن مطلب یہ ہے کہ جس رُوح القدس کی رُوحانیت میں نبوت و رسالت کے متذکرہ بالاتین بڑے درجات مضمّن تھے وہ رُوح حضورؐ کی طرف بطور وحی بھیج دی گئی، یہ رُوح دوسرے الفاظ میں ایک نور تھا، جس کی زندہ اور بولتی رُوحانیت و نورانیت میں حضور اکرمؐ نے معراجِ رُوح کے جملہ مدارج کو طے کر لیا تھا۔

دلیل ۱۰ : سورۃ نجم کی ابتدا ہی میں ہے کہ : قسم ہے ستارہ کی جبکہ وہ اترتا (یعنی قسم ہے رُوحِ قدسی کی جبکہ وہ آنحضرتؐ کی فاتِ اقدس میں اور آپؐ کے وقتی بروح کے باطن میں نازل ہوئی، تمہارا ساتھی محمدؐ، نہ گمراہ ہوا اور نہ بہک گیا (یعنی جب آنحضرتؐ پر ایک عظیم رُوح نازل ہوئی اور آپ رُوحانیت کے رستے پر ہوتے تو حضورؐ اس راہ میں ایسی ثابت قدمی سے چلے کہ آپ کا کوئی قدم غلط نہیں پڑا، اور وہ اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتا (یعنی منازلِ رُوحانیت طے کرنے کے بعد آپؐ نے تبلیغِ رسالت کا کام شروع کر دیا، یہ نہیں ہے مگر وحی جو اس کی طرف

بھیجی جاتی ہے (یعنی حضورؐ اس رسالت کے کام میں جو کچھ بولتے ہیں وہ وحی سے ہے اور وحی اسی عظیم رُوح کے ذریعہ سے ہے جو اُن میں بھیجی گئی تھی، اسے بڑی سخت قوتوں والے (خُدا) اور بڑی عقل والے نے سکھایا ہے پھر وہ (رُوحانیت پر) غالب ہو گیا اور آسمان (رُوحانیت) کے سب سے اُوپنے کنارہ پر تھا (یعنی آپؐ اس کے بعد رُوحِ کُل یا کہ نفسِ کُل کے آسمان پر پہنچ گئے) پھر وہ نزدیک ہوا (یعنی اللہ تعالیٰ کے نُور کی طرف) پھر ذریعہ بنایا گیا (یعنی آپؐ کو گوہرِ علم و حکمت دکھایا گیا) پھر دو کمانوں کا فاصلہ رہا یا زیادہ نزدیک، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف (حجاب کے بغیر) وحی کی جو کچھ کہ وحی کرنا تھا، نہیں جھوٹ کہا دل نے جو کچھ کہ اُس نے (معراج میں) دیکھا (یعنی آنحضرتؐ کی معراج کے تمام واقعات و معجزات حضورؐ کے باطن میں پیش آتے تھے لہذا آپؐ کے قلبِ مبارک نے جو کچھ دیکھا تھا اس کے متعلق تصدیق اور یقین کیا)

پس معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کی معراج بدنی نہیں روحی تھی، جیسا کہ آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے اور خاص کر یہ جو ارشاد ہوا کہ آپؐ کے دل نے جو کچھ دیکھا تھا اس کے متعلق جھوٹ نہیں بولا۔  
 دلیل سے علا : قرآن حکیم کی متعدد آیات سے ظاہر ہے کہ خُدا انسان کے نہایت قریب ہے، اور یہ بات مکانی قربت کی نہیں بلکہ قدرت کی سائی اور انسانی شرف سے متعلق ہے، چنانچہ اس حکم کا اطلاق سب سے

پہلے انسانِ کامل پر ہوتا ہے، یعنی پیغمبر اپنے قلب مبارک ہی میں نورِ الہی کی تجلیات کا شاہدہ کرتا ہے، اور معراج ایسے مشاہدے سے الگ نہیں۔  
 دلیل ۱۲: حدیث قدسی میں ہے کہ بندۂ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے، پس اگر حقیقت یہی ہے تو سب سے پہلے اور سب سے بہتر طریق پر آنحضرتؐ کا مبارک قلب عرشِ الہی یعنی خدا کا تخت تھا، اور ظاہر ہے کہ جہاں عرش پر خدا ہے وہاں معراج بھی ہوتی ہے۔

دلیل ۱۳: یہ قول قرآنی حکمت کی بنیاد پر قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقدر نور و دنیا میں ہمیشہ ظاہر ہے اور اس کی ظہور گاہ انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کا پاک سلسلہ ہے، چنانچہ آنحضرتؐ صلعم اپنے وقت میں نورِ خداوندی کے مظہر تھے، اس معنی میں جب یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح صاف عیان ہے کہ آپؐ کو روئے زمین پر ہی خدا کے نور سے انتہائی قربت و نزدیکی حاصل تھی، تو یہ امر یقینی ہے کہ آنحضرتؐ کی نبوت اور مسداج کے مجملہ اسرار اس نورِ خداوندی سے جدا نہیں تھے، جو نورِ حضورؐ کی مبارک و مقدس پیشانی میں تھا۔  
 دلیل ۱۴: قرآن حکیم سے یہ مطلب ظاہر ہوتا ہے کہ خدا سے بزرگ و برتر نے اپنی روح حضرت آدم علیہ السلام میں پھونک دی تھی، جس سے وہ نورِ الہی مراد ہے، جو رشد و ہدایت، علم و حکمت اور نبوت و امامت کا سرچشمہ ہے، جس میں اسرارِ روحانیت اور عجائبات و معجزاتِ نورانیت پوشیدہ ہیں، اور یہی روحِ الہی یعنی نورِ خداوندی اپنے تمام اوصاف اور خوبیوں کے ساتھ آنحضرتؐ میں موجود تھا، پس معلوم ہوا کہ معراج کے تمام واقعات

رُوحانی قسم کے تھے جو سرورِ انبیاءِ معلّم کے اپنے مقدّس باطن ہی میں پیش آتے

دلیل ۱۵: ہر اس انسان کی، جس کے حواس صحیح ہیں، چار ذاتی دنیاؤں ہیں، عالمِ بیداری، عالمِ خیال، عالمِ خواب اور عالمِ رُوحانیت، ایک عالمِ انسان عالمِ بیداری کے علاوہ عالمِ خیال اور عالمِ خواب کے وجود کو بھی تسلیم کر سکتا ہے مگر عالمِ رُوحانیت، جو سخت عبادت و ریاضت کرنے کے بعد کسی بندۂ خاص کے مشاہدے میں آ سکتا ہے، ان تینوں عوامل سے بالاتر ہے، کیونکہ وہ ان تینوں پر محیط اور انکا جامع ہے، وہ اس ظاہری دنیا کی طرح زندہ اور بیدار بھی ہے، بلکہ وہ اس سے کئی درجہ زیادہ روشن اور نہایت ہی حسین و دلکش ہے، دُنیا تے فکر و خیال کی طرح اس میں سوچنے کی آزادی بھی ہے اور عالمِ خواب کی طرح بے اختیار بھی، پس انبیاء و ائمہ علیہم السلام کا عالمِ رُوحانیت اپنی اصلی حالت میں ان پر مکشوف اور ظاہر ہوتا ہے اور اسی میں وہ تمام واقعات پیش آتے ہیں، جن کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے۔

دلیل ۱۶: انسان کی ہستی اور وجود جسم کے لحاظ سے مکان ہے اور رُوح کے اعتبار سے لامکان ہے، اور اگرچہ اللہ تعالیٰ مکان لامکان دونوں سے برتر ہے، لیکن اس کی قرابت و نزدیکی جسمانی طور سے نہیں بلکہ رُوحانی طور پر ممکن ہے، یعنی خدا کے حضور پہنچنے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا نہیں پڑتا بلکہ دل (رُوح) ہی میں لامکانی طور پر خدا کا انتہائی تقرب حاصل ہو سکتا ہے، چنانچہ آنحضرتؐ کو جو انسان

کامل تھے یہی ہوا تھا کہ آپ کے قلب مبارک میں نبوت و رسالت اور  
معراج سے متعلق تمام باتیں وحی کر دی گئیں۔

اس موضوع کا خاص مقصد یہی تھا کہ معراج رُوح کی حقیقت کے  
بارے میں چند روشن دلیلیں بیان کر دی جائیں، تاکہ دشمنین کو یہ یقین ہو  
کہ حضور انور رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت سے رُوحانیت و نورانیت کے ایک  
عظیم عالم تھے، ایک ایسا عالم کہ اس میں سب کچھ موجود تھا اور اس  
سے کوئی شے خارج نہیں تھی۔

والسلام

Institute for  
Spiritual Wisdom  
and  
Luminous Science

Knowledge for a united humanity

# رُوح اور رُوحانیت

بہتر یہ ہے کہ ہم آج کی مجلس میں رُوح اور رُوحانیت کے بارے میں کچھ بنیادی اور خاص قسم کی باتیں بتائیں، کیونکہ رُوح اور رُوحانیت دینِ اسلام میں سب سے بڑا اور اہم ترین موضوع ہے، اس لئے کہ معرفتِ ذات یعنی انسان کی اپنی شناخت ہی سے معرفتِ خدا حاصل ہوتی ہے، جو علم و عمل کا کامیاب نتیجہ اور دین کا سب سے آخری مقصد ہے۔

## جامع الجوامع :-

جب یہ امر واقعی ہے کہ رب العزت کی معرفت کا انمول خزانہ اور اس کی بے پناہ، لازوال اور غیر فانی دولت انسان کی اپنی معرفت میں پوشیدہ ہے، اور اصلیت میں معرفتِ رُوح کو دیدہ دل سے دیکھنے اور کُلّی طور پر پہچاننے کا نام ہے، تو پھر رُوح اور رُوحانیت کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کیوں نہ دی جائے، جبکہ یہ امر عظیم ایک ایسا وسیع اور جامع الجوامع موضوع ہے کہ اس میں دین کے تمام موضوعات خود بخود محدود ہو جاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفتِ عالیہ میں تمام چیزیں سموتی ہوتی ہیں، یا یوں کہنا چاہئے کہ رب العزت کی معرفت ایسا موضوع ہے جو کہ تمام موضوعات پر حاوی

اور بیٹھ ہے، اسی لئے میرا کہنا ہے کہ رُوح اور رُوحانیت کے موضوع کی طرف توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔

حضرت مولانا امیر المومنین علی علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ: جس نے اپنی رُوح کی معرفت حاصل کر لی یقیناً اُس نے اپنے پروردگار کی معرفت حاصل کر لی، نیز فرمایا گیا ہے کہ: تم میں سے جو شخص اپنی رُوح کو سب سے زیادہ پہچانتا ہے وہی اپنے پروردگار کو سب سے زیادہ پہچانتا ہے، لیکن چونکہ معرفتِ رُوحانیت کے بہت سے مراحل سے آگے گزر کر اصل سے واصل ہو جانے کے بعد مکمل ہو جاتی ہے، لہذا خدا شناسی کا یہ انتہائی بلند مرتبہ کسی کی ذاتی کوششوں سے حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس نازک اور مشکل راہ میں ہادی برحق کی دستیگری اور ہدایت و رہنمائی نہ ہو، کیونکہ معرفتِ مومن کی مذہبی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، جو خدا اور مومن اور امامِ زمانہ کی مقدس ہدایت کی روشنی میں انجام پا سکتا ہے۔

## صراطِ مستقیم اور معرفت :-

جس طرح یہ ایک روشن اور مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام کا دوسرا نام صراطِ مستقیم ہے، اور اس صراطِ مستقیم کے تصور کے سلسلے میں منزلِ معرفت سب سے آخر میں آتی ہے، یعنی شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت، اسی طرح انسان کی خود شناسی (جس میں خدا شناسی کا گنجِ مخفی موجود ہے) راہِ دین کے مرحلہ آخر میں ہے، جو مقامِ معرفت ہے،

اور اس منزل مقصود تک بندۂ مومن حقیقی علم اور نیک عمل کے ذریعے سے پہنچ سکتا ہے، یا یوں کہنا چاہیے کہ راہ مستقیم جو مسلمین و مومنین کے لئے اطاعت و فرمانبرداری ہی کا راستہ ہے، اس پر اہل ایمان علم و عمل کے وسیلے سے منزل بمنزل آگے بڑھ سکتے ہیں، یہاں تک کہ اُن کا باطن نورِ معرفت کی ضیا پاشیوں سے مگنی طور پر متور ہو۔

## مشاہدہ اور معرفت :-

اسی طرح جب کوئی حقیقی مومن مقاماتِ معرفت تک پہنچے تو اس وقت وہ چشمِ باطن کے مشاہدات کے نتیجے پر نہ صرف اپنی ذات کی حقیقت کو پہچانتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے رب کو بھی پہچان لیتا ہے۔

معرفت اگرچہ ظاہراً صرف ایک ہی لفظ ہے جس کے لغوی معنی پہچان کے ہیں، لیکن یہ اپنے حقیقی معنوں اور کموتوں کے اعتبار سے ایسی عالی قدر اور اتنی عظیم الشان ہے کہ اس کی معنوی جامعیت میں حیات و کائنات کی تمام حقیقتیں اور معرفتیں محدود ہو جاتی ہیں، لیکن یہ افسوس کا مقام ہے کہ بہت ہی کم لوگ دائرۂ معرفت اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھتے ہیں، حالانکہ معرفت میں سب کچھ ہے۔

## نورِ معرفت :-

معرفت ایک نور کی حیثیت سے ہے، اور یہ وہی نورِ ازل ہے

ہو ہمیشہ سے موجود ہے، جس کے بہت سے نام ہیں، جیسے نورِ الہی، نورِ قرآن، نورِ اسلام، نورِ نبوت، نورِ امامت، نورِ ایمان، نورِ ایقان، نورِ موتین وغیرہ۔ پھر آپ ذرا غور و فکر کر کے دیکھیں کہ نورِ معرفت کیا کچھ نہیں، وہ تو سب کچھ ہے، کیونکہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا نور ہے اور اسی لئے وہ کل کلیات کا نور ہے، جس کی روشنی میں خدا اور خدائی کے بھید عارفوں پر ظاہر ہو جاتے ہیں، ازل اور ابد و نون کی حقیقتوں کے زندہ اور روشن نقوش بلا کم و کاست سامنے آتے ہیں، لوح و قلم کی معرفت حاصل ہوتی ہے، ملائکہ کی شناخت ہو جاتی ہے، تخلیق کائنات کے اسرار سے واقفیت آگہی ہوتی ہے، انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے معجزات اور کرامات کا عملی طور پر پتہ چلتا ہے، وحیِ مبیسی اعلیٰ سے اعلیٰ حقیقت کی کیفیات کا مشاہدہ ہوتا ہے، عبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام کی پہچان حاصل ہو جاتی ہے۔

قیامت جو قرآن حکیم کا سب سے مخفی موضوع ہے، اس کا عملی تجربہ ہوتا ہے، حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ وہ ایک مخفی خزانہ ہے، چنانچہ سفرِ روحانیت کی اس تلاشِ حقیقت کے نتیجے میں خدا اور خدائی کا گنجِ مخفی ملتا ہے، جس میں سب کچھ ہے اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔

نورِ عرفان کی روشنی نہ صرف عارف کی زندگی ہی پر پڑتی ہے بلکہ وہ جیتے جی موت اور عالمِ آخرت کی حقیقتوں سے بھی براہِ راست واقف

آگاہ ہو جاتا ہے، رُوح جو خدا تعالیٰ کی ایک عظیم نُورانی مخلوق ہے یا کہتا چاہتیے کہ ”رُوح“ نُورِ خداوندی کا ایک زندہ تابندہ اور معجزانہ عکس ہے، اس کا سیرت انگیز مشاہدہ اور دیدار ہوتا ہے۔

عالم رُوحانیت جو اس دُنیا کے برعکس ہے کشفِ باطن کی حیثیت سے سامنے آتا ہے، دوزخ اور بہشت سے پوشیدگی کا پردہ اُٹھ جاتا ہے اور دیدۂ باطن سے انکے مناظر کو دیکھ لیا جاتا ہے، خدا کے اوصاف اور اس کی وحدانیت کا مکمل یقین آتا ہے۔

## معرفت کی روشنی میں :-

بانتا چاہتیے کہ معرفت نُورانیت کی ایک ایسی زندہ کائنات ہے کہ اس سے کوئی شے باہر نہیں، جس کے اندر جو کچھ ہے اس کی رُوح ہے، بالفاظِ دیگر معرفت کی روشنی میں دیکھنے سے ہر چیز کی رُوح نمایان اور طہیب ہو جاتی ہے، خواہ وہ پتھر کی طرح بے جان چیزیں کیوں نہ ہوں، جیسا کہ ارشادِ باری ہے کہ :-

قَالُوا انطقنا اللّٰهُ الَّذِي انطق كُلَّ شَيْءٍ ۗ ۱۷۱

(وہ اعضاء جو اب دیں گے کہ جس خدا نے ہر چیز کو گویا کیا اسی نے ہم کو گویا کیا، قرآنِ پاک کا یہ پُر حکمت اشارہ دُنیا نے معرفت ہی کی طرف ہے، جس کی ہر چیز میں رُوح ہے اور وہ بول سکتی ہے، پیناچہ نُورِ معرفت کی روشنی میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھر، مٹی

اور ہوا جیسے جمادات میں بھی رُوح ہوا کرتی ہے، نباتات کی رُوح تو نشوونما کی صلاحیت سے ظاہر ہے، جانوروں کی رُوح ہونے سے کسی کو ذرا بھی شک نہیں، انسانی رُوح تو ایک روشن حقیقت کی طرح مسلمہ ہے، چنانچہ معرفت کی نظر میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کی رُوح نہ ہو، سو یہ حقیقت ہے کہ حصول معرفت کے دوران تمام چیزوں کی رُوحوں سے ملاقات اور گفتگو ہوتی ہے اور نتیجے کے طور پر ان کی شناخت کے بھیدوں سے نقاب اٹھایا جاتا ہے اور ان کی حقیقتیں روشن ہو جاتی ہیں۔

مذکورہ حقائق و معارف کی شہادتیں قرآنِ مقدس میں بھی موجود ہیں، چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ: اور ہم اگر ان کے پاس فرشتے بھی نازل کرتے اور ان سے مردے بھی باتیں کرنے لگتے اور تمام (رُوحانی) چیزیں گروہ گروہ ان کے سامنے لاکھڑے کرتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے۔<sup>۱۱</sup>

مظاہری طور پر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آئیہ کریمہ ایک مثال کی حیثیت سے ہے، لیکن جاننے والے ہی جانتے ہیں کہ یہ پُرِ حِجَّتِ ارشادِ صرفِ مثال کی حد تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک زندہ حقیقت اور ایک امرِ واقعی بھی ہے، چنانچہ یہ بڑا عجیب و غریب واقعہ ہے کہ عالمِ روحانیت سے براہِ راست رابطہ رکھنے والوں کو نہ صرف مردوں کی رُوحیں، فرشتے، جنات وغیرہ دکھائی دیتے ہیں، بلکہ ساتھ ہی ساتھ تمام زندہ انسانوں اور ساری چیزوں کی رُوحوں سے بھی ملاقات اور گفتگو ہوتی ہے، اور اس سلسلے کا سب سے عظیم واقعہ نورِ الہی کا دیدار ہے۔

## معرفت کی ہمہ رسی :-

جب اس حقیقت کو تقریباً سب تسلیم کر لیتے ہیں کہ دیدارِ نورانی اور لقائے الہی کے وسیلے سے خدا کی کامل معرفت حاصل ہوتی ہے، خواہ وہ مقدس دیدار، جو جلال و جمال کی تجلیوں سے بھرپور ہے، خدا کا ہو یا نورِ خدا کا جو اس کا خلیفہ اور نائب ہے یا انسان کی اپنی رُوح میں یہ عظیمُ آشان صلاحیت پنہان ہو کہ وقت آنے پر یہ ہر اعتبار سے اور ہر صورت میں خدائے پاک کی خلافت و نیابت اور نمائندگی کرتی ہے، ہر حالت میں خدا کا دیدار برحق ہے، جس کا حاصل معرفت ہے، جو مشاہداتِ روحانیت کا سب سے بڑا ثبوت اور سب سے عظیم مقصد ہے۔

کیا اس حقیقتِ حال کے باوجود کوئی دانشمند یہ گمان کر سکتا ہے کہ کچھ ضروری حقیقتیں اہل معرفت کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لیے پردہِ اخفا میں رہتی ہیں؟ یہ گمان کس طرح درست ہو سکتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی مبارک ملاقات اور پاک معرفت ثابت ہے، حالانکہ خداوند برحق سب سے باطن اور باطن سے بھی باطن ہے، پھر بھی وہ بادشاہِ مطلق اپنے برگزیدہ بندوں کی روحانیت و نورانیت میں ظاہر اور جلوہ نما ہو کر اپنی شناخت کی لازوال دولت عطا فرماتا ہے، کیا ایسے میں معرفت کی نظر اور رسائی سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ رہ سکتی ہے، جبکہ سب سے مخفی خزانے کا انکشاف ہو جاتا ہے، یعنی خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے، درحالیکہ وہ تبارک و

تعالیٰ سب سے برتر، عظیم اور ورئی ہے؟

## سب سے بڑا بھید :-

جاننا چاہیے کہ پروردگارِ عالم کی معرفت کے سامنے کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں، سب سے بڑا بھید خدا کی حقیقت ہے، چنانچہ ایک دیندار اور ہوشیار آدمی آسانی سے یہ تصور کر سکتا ہے کہ بھیدوں میں سب سے بڑا بھید خود اللہ ہے، یعنی خدا کی معرفت کی کیفیت بڑی دشوار ہے، اور سب سے مشکل چیز اللہ تعالیٰ کی وحدانیت (UNITY OF GOD) ہے، لیکن اس کے باوجود جب یاد کیا جاتا ہے کہ اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کی یکتائی کی شناخت ہو جاتی ہے، تو کیا اس صورت میں کوئی ہوشمند انسان یہ تصور کر سکتا ہے کہ کچھ بھید اس کے سوا ایسے بھی ہیں کہ ان تک اہل معرفت نہیں پہنچ سکے، یہ تصور درست نہیں، کیونکہ یہ اللہ اکبر کے معنی کے خلاف ہے، یعنی خدا ہی سب سے بڑا ہے اور وہی سب سے برتر اور ہر چیز سے ورئی ہے، جس کی تشریح یہ ہوتی کہ تمام چیزیں رحمتِ خدائی میں محدود ہیں اور اس کی رحمت پر اس کا علم محیط ہے، اور وہ خود علم پر محیط اور بادشاہ ہے۔

اس تشریح سے ایک طرف تو معرفتِ خدا کی عظمت و بزرگی اور رفعت و برتری کا مکمل یقین ہو جاتا ہے اور دوسری طرف یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی چیز خداوند کی رحمت اور علم سے باہر نہیں، اور اس کا لازمی

نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ جن سعادت مند انسانوں کو خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے انکو سب کچھ ملتا ہے، جس کے اسباب اور وجوہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

۱۔ اللہ تعالیٰ حقیقی بادشاہ ہے، جب وہ کسی کو چاہتا ہے تو اپنا تعارف کراتا ہے، اور اس کو اپنا شناسا کر لیتا ہے، پھر خداوند تعالیٰ کی دوستی کے نتیجے پر ایسے بندے کو سب کچھ مل جاتا ہے۔

۲۔ جس کو خدا کی معرفت حاصل ہو، تو اس کو معرفت اپنے تحت خدائی علم لے کر آتی ہے اور علم ہر چیز لے کر آتا ہے، کیونکہ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ خدا کی خدائی اور معرفت ہر چیز سے برتر ہے، اور سب چیزیں علم و رحمت کے تحت ہیں۔

۳۔ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ خدا ہر قسم کی مثال سے پاک و برتر ہے، تاہم اس کی بے پناہ رحمت و مہربانی کا یہ تقاضا تھا کہ تصور الوہیت کے ابتدائی مراحل کے لئے کچھ عام فہم مثالیں پیش کی جائیں، چنانچہ خدائے عظیم و حکیم نے اپنی ذات اقدس کے متعلق کئی حکمت آگین اور پرمغز مثالیں دیں، جن میں ایک ایسی جانفزا اور رُوح پرور مثال بھی ہے کہ وہ ہمیشہ سے خداوندِ قدوس کی بے پایان رحمت کی سب سے عظیم نوازشات کی آئینہ داری اور نمائندگی کرتی چلی آتی ہے، اور وہ یہ کہ ربِّ کریم نے اپنی ذات پاک کی مثال ایک نہایت عظیم اور انتہائی گرانقدر "مخفی خزانہ" سے دی ہے،

پس اگر مانا کہ خدا تعالیٰ اہل معرفت کو مالک و مولا اور آقا و بادشاہ کی طرح نہیں بلکہ خزانے کی طرح بل جاتا ہے، تو اس میں کافی توجہ دے کر سوچنا چاہیے کہ یہ خدا کی کتنی بڑی نوازش ہے کہ وہ سب سے بڑا مہربان خود کو اور اپنی خداوندی کے تمام باکمال اوصاف کو نتیجہ معرفت کا انعامی خزانہ قرار دے کر عارف کو عطا کر دیتا ہے، اس راز کو اس سے زیادہ افشا نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس خدائی رحمت و مہربانی میں بڑی عجیب و غریب حکمتیں پوشیدہ ہیں، پس اس سے معلوم ہوا کہ نور معرفت سب کچھ ہے۔

## وحدت کثرت نما :-

اس مقام پر ایک ایسی وحدت کا ذکر کرنا فائدے سے خالی نہیں جو اصل میں وحدت ہی ہے مگر ظاہر میں کثرت سمجھی جاتی ہے، اس لئے اس کو وحدت کثرت نما کہنا چاہیے، جس کی مثال سورج اور اس کے لاتعداد عکس ہیں، کہ اُن تمام عکسوں کی حقیقی وحدت سورج میں ہمیشہ سے موجود ہے، اور سورج کی مجازی کثرت اُن ساری صاف و شفاف چیزوں میں ہے، جن میں سورج کا عکس نظر آتا ہے، جیسے آئینہ صاف پانی وغیرہ۔ اسی طرح رُوحوں کا بھی ایک سرچشمہ ہے، جس کو عالم رُوحانیت کا سورج یا نور کہا جاتا ہے، جہاں پر تمام رُوحوں کی حقیقی وحدت ہے اور ارواح جزوی میں مجازی کثرت ہے، اور اگر ہم اس سلسلے میں ایک گلی بات کرنا چاہیں تو اسے وحدت کثرت نما بھی کہہ سکتے ہیں جس کے

معنی یہ ہوتے کہ نورِ ازل میں ہمیشہ کے لئے تمام رُوحوں کی جو وحدت قائم ہے، وہ افراد و اشخاص میں ہنگامی طور پر کثرت کی صورت میں ظاہر ہے، جس طرح سورج اور اس کی روشنی کے ذرات یعنی کرنوں کے درمیان ایک طرف حقیقی وحدت ہے اور دوسری طرف مجازی کثرت یعنی وحدت کثرت نام ہے۔

## نفسِ واحدہ :-

قرآنِ پاک میں بطریقِ حکمت نفسِ واحدہ کا ذکر آیا ہے، یہ نفسِ واحدہ نفسِ کلی ہے، جو تمام رُوحوں کا سرچشمہ اور نورِ ازل کی حیثیت سے ہے، چنانچہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا ہے کہ :-

ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفسٍ واحده ۳۱/۲۸

تم سب کا پیدا کرنا اور (دوبارہ) زندہ کرنا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا۔ یعنی نفوسِ خلاقِ ازل میں نفسِ کلی کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے ہیں، اس لئے وہاں ان کی وحدت ایک جان کی وحدت کی طرح ہے، جو ہمیشہ کے لئے نفسِ کلی میں قائم ہے، یا اس حقیقت کو یوں سمجھنا چاہئے کہ ہم میں سے ہر ایک کی ایک اُناتے علوی یعنی رُوح کی اعلیٰ حقیقت اب بھی نفسِ کلی سے اسی طرح وابستہ ہے جس طرح کہ یہ ازل میں تھی، اس کے علاوہ ہماری ایک اُناتے سفلی بھی ہے، یعنی ذیلی اور عارضی زندگی جو ہماری شخصیت پر قائم ہے، جس کی مثال سورج کے عکس سے دی جا سکتی ہے جو آئینے میں نظر آتا ہے۔

جب کسی مومن کی رُوحانیت کے سلسلے میں انفرادی قیامت برپا ہو جاتی ہے تو اس وقت وہ کائنات بھد کی رُوحوں کے ساتھ، جو ذرات کی شکل میں اس میں آتے ہوتے ہوتے ہیں، خود کو کبھی کبھی یکایک نفسِ کُلّی کے ساتھ مربوط پاتا ہے، پس یہ ہوا شخصی رُوحانیت میں اجتماعی قیامت کا نمونہ، جس میں سب لوگ اپنے آپ کو اچانک شعوری طور پر نفسِ کُلّی میں زندہ پاتیں گے، جیسا کہ اس کا اشارہ آیت مذکورہ بالا میں موجود ہے۔  
قرآنِ مقدس میں ہے کہ :-

مؤمنین آپس میں بھاتی بھاتی ہیں ۴۹/۱۰

اور ایک حدیثِ شریف میں اسی مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ : مؤمنین آپس میں بھاتی بھاتی ہیں اور انبیاء (علیہم السلام) ایک جان کی طرح ہیں، اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیان ہو جاتی ہے کہ انسانیت اگرچہ نچلے درجات پر منتشر ہو جاتی ہے لیکن وحدت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ اوپر سے اوپر متحد نظر آتی ہے، اور نفسِ کُلّی کی بلندی پر تو یہ ازل سے لے کر اب تک ایک ہی جان کی طرح ہے، ان حقائق و معارف سے حقیقتِ واحدہ (MONOREALISM) کے سمجھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

معرفت اور شران :-

اس سلسلے میں یہ سوال کسی نہ کسی طرح ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ قرآن

میں معرفت کی بابت کیا ارشاد ہوا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ مخصوص حکمت کی زبان میں معرفتِ الہی کا ذکر کیا گیا ہے، جس کی چند روشن مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں :-

۱۔ سورۃ نور میں ارشاد ہوا ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے ۲۴/۳۵“ اس کا اشارہ سب سے پہلے اور سب سے اعلیٰ درجے پر ایک ایسی ربانی روشنی کی طرف ہے، جو اہل بصیرت کو روحانی علم، نورانی ہدایت اور خداوندی معرفت عطا کرتی ہے، کیونکہ جب اللہ نور ہے تو اس کے معنی یقیناً خدائے علیم و حکیم کے ظہورات و تجلیات کے ہیں اور عارف کے مشاہدات اور حصولِ معرفت کے ہیں، اس لئے کہ نور نہ صرف تاریکیوں کو مٹا کر چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کر دیتا ہے بلکہ ساتھ ہی ساتھ وہ خود بھی ظاہر ہو جاتا ہے، جیسے سورج کہ وہ جہاں اندھیروں کو ختم کر کے روشنی پھیلاتا ہے اور آسمان وزمین کو نمایاں کر دیتا ہے تو وہاں وہ خود بھی عیان آشکار ہو جاتا ہے، چنانچہ اس معنی کے مطابق یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ دیدہ دل سے اہل معرفت کو نورِ خداوندی کی تجلیوں کا مشاہدہ ہوتا ہے، تو پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں جہاں نور کا ذکر ہے وہاں معرفتِ الہی کا تذکرہ ہے۔

۲۔ قرآن پاک (۴۵-۴۶/۳۳) میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدائے برتر نے نبی، رسول، شاہد، مبشر، تذکر، داعی الی اللہ اور سراجِ منیر بنا کر بھیجا تھا، چنانچہ حضور اکرم کے ان

مبارک ناموں میں معرفت کے معنی موجود ہیں کہ نبی اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتا ہے، اور حقیقت میں اس کی بنیاد رُوحانیت اور تجلیاتِ نور کے مشاہدات پر ہے، اسی طرح رسول وہ ہے جس کو خدا نے اپنی انتہائی قربت و نزدیکی سے بھیجا ہے، اور شاہد کے معنی وہ شخص ہیں جس نے اصل واقعہ اور حقیقتِ حال کا مشاہدہ کیا ہے اور جو اس معاملے کا گواہ ہو، اس میں نبی رحمت کی رُوحانیت و معرفت کا نمایاں ذکر ہے، کہ اگر حقیقت اور ویدار الہی کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو حقیقت میں حضور شاہد (گواہ) نہ کہلاتے اور نہ ہی خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے ہوتے، کیونکہ ان تمام ناموں کا اطلاق عالم رُوحانیت کے مشاہد کے بعد ہی صحیح ہے، اور داعی الی اللہ کا مطلب خدا سے اصل کر دینے والا ہے، اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ حضور خود اللہ سے اصل تھے، لہذا آپ خدا کے حکم سے دوسروں کو بھی صراطِ مستقیم پر گامزن ہو کر واصل باللہ ہو جانے کے لئے بلا یا کرتے تھے، اور حضورِ انورؐ تبلیغ و دعوت کا یہ عظیم الشان کام نورِ معرفت ہی کی روشنی میں انجام دیا کرتے تھے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورِ ہدایت کے روشن چراغ کی حیثیت سے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہی نورِ معرفت تھے، پس اس مثال سے صاف صاف یہ معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کی حکمت میں معرفتِ الہی کا تذکرہ موجود ہے، خصوصاً اُن آیاتِ کریمہ میں جو انسانِ کامل کے اوصافِ حمیدہ سے متعلق ہیں۔

۳- قرآنِ مقدس (۱۳/۴۳) میں فرمایا گیا ہے کہ: اور (اے رسول!) کافر لوگ کہتے ہیں کہ تم پیغمبر نہیں، تو تم (ان سے) کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری رسالت کی) گواہی کے واسطے خدا اور وہ شخص جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے کافی ہیں۔

آپ چاہیں تو کسی بھی شیعہ تغیر میں اس آیت کریمہ کے متعلق یہ بات معلوم کر سکتے ہیں (جہاں کھٹی سُستی مستند حوالے بھی ملیں گے) کہ کارِ رسالت کی اس عالی شان گواہی میں خدا کے بعد جس انسانِ کامل کا ذکر کیا گیا ہے، وہ حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام ہی ہیں، چنانچہ خواہ کافر کچھ بھی کہیں، لیکن خداوند تعالیٰ اور علی امامِ مبین اس امر واقعی کے شاہدینِ عدل (دو عادل گواہ) ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق رسول ہیں۔

اب آپ کو یہاں بطریقِ عاقلانہ یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ حضرت علیؑ کی اس گواہی کا معیار کیا ہے؟ آپ یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ سب سے بلند ترین معیار اللہ تبارک و تعالیٰ کی پاک و پاکیزہ شہادت (گواہی) ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ تصدیقِ رسالت کے بارے میں جنابِ مُرتضیٰ علیؑ کی گواہی بھی ربانی شہادت کی طرح یلیغ، ہمہ گیر اور مضبوط ہے اور یہ شہادت قیاسی، سطحی اور محدود قسم کی ہرگز نہیں، بلکہ سراسر عینی مشاہدات پر مبنی ہے، کیونکہ غارِ حرا سے لے کر شبِ معراج کے تمام روحانی عجائب و غرائب کی کیفیت و حقیقت کو دیکھے بغیر حضور اکرمؐ کی رسالت کے گواہ بن جانے کے کچھ معنی نہیں ہوتے، جبکہ آنحضرتؐ

کی نبوت و رسالت رُوح اور رُوحانیت کے تمام مدارج پر محیط ہے اور جبکہ اس انتہائی عظیم امر کے ثبوت کے لئے پہلا گواہ پروردگارِ عالم خود ہے۔

اس فرمانِ خداوندی میں علی کے گواہ رسالت ہونے کے علاوہ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ آپ کے پاس آسمانی کتاب کا علم ہے، حالانکہ آسمانی کتاب کا علم نہ صرف قرآن کے ظاہر و باطن میں ہے، بلکہ یہ رُوح اور رُوحانیت کی لوحِ محفوظ میں بھی موجود ہے، جو اتم الکتاب ہے، کیونکہ دائرہ علم میں کتاب اور اتم الکتاب دونوں ایک ہیں، ان حقیقتوں کی روشنی میں یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ باطن اور رُوحانیت کی کسی بھی منزل میں انورِ ولایت تو رُتوبت سے الگ نہیں تھا، اس کے معنی یہ ہیں کہ جب بھی نے خدا کی تجلیوں کو دیکھا تو نورِ ولایت نے بھی دیکھا، اس صفت کے بغیر کوئی شخص خدا کے ساتھ ساتھ رسالتِ محمدی کے گواہ ہو جانے کے معیار پر پورا نہیں اتر سکتا ہے، اس سے اندازہ ہو گیا کہ قرآنی حکمت میں کس طرح معرفت کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

## معرفت اور حُبّت :

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ جہاں نورِ معرفت کے وسیلے سے پروردگار کو پہچان لیا جاتا ہے وہاں معرفت سے کوئی چیز باہر نہیں رہ سکتی، کیونکہ نورِ معرفت ہر چیز پر محیط اور حاوی ہے، چنانچہ اس وسیعِ احوال میں حُبّت بھی شامل ہے، اس کے یہ معنی ہوتے کہ کاپیتا ذکر اور نورانی عبادت کے نتیجے میں رُوح اور رُوحانیت کے جو

مشاہدات سامنے آتے ہیں انہیں مشاہدات میں جنت بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ :-

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَدَرَ فَمَّا كَانُوا فِيهَا

بہشت میں داخل کرے گا جس کا انہیں (پہلے سے) شناسا کر رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بہشت کی شناخت دُنیا کی زندگی ہی میں ہوتی چاہیے تاکہ مرنے کے بعد یہ ہمیشہ کے لئے حاصل ہو سکے، اور اگر یہاں کسی کو جنت کی معرفت حاصل نہ ہوتی تو پھر آخرت میں ناممکن ہے، اسی معنی میں فرمانِ خداوندی ہے کہ :-

اور جو شخص دُنیا میں اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی اندھا

رہے گا اور زیادہ راہِ گم کردہ ہو گا ۲/۱۷۱، اس ارشاد سے چشمِ بصیرت اور مشاہدہ رُوحانیت کی اہمیت صاف طور پر ظاہر ہو جاتی ہے، لہذا مومن کو چاہیے کہ خود کو امامِ زمان کے امر و فرمان سے وابستہ کرے، کیونکہ خدا اور اس کے برگزیدہ رسولؐ کی جانب سے صرف امامِ وقت ہی اس مرتبہ اعلیٰ پر مقرر ہیں کہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری سے علمِ یقین اور نورِ معرفت حاصل ہو جاتا ہے۔

علمِ یقین :-

اگر کوئی مومن دُنیاوی زندگی ہی میں دل کی آنکھ سے رُوحِ او رُوحانیت کی جنت کا مشاہدہ نہیں کر سکتا ہے اور اس کی باطنی آنکھ

ابھی نہیں کھلی ہے، تو پھر بھی اسے مایوس نہیں ہونا چاہیے، جبکہ وہ ایمان اور امام کی محبت میں پختہ اور مضبوط ہے، وہ ایسی صورت میں علم الیقین سے کام لے کر آخرت اور بہشت کی حقیقتوں کا تصور کر سکتا ہے، کیونکہ جہاں دیدہ دل اور نور باطن نہ ہو وہاں یقینی علم کی روشنی آنکھ کا کام دیتی ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے کہ :-

ہرگز نہیں اگر تم علم الیقین جان لو البتہ تم دوزخ کو ضرور دیکھو گے ۵-۱۲/۴۔ اس فرمانِ خداوندی میں علم الیقین کی تعریف و توصیف کی گئی ہے، اور اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جن سعادت مند مومنین کے پاس علم الیقین ہو تو وہ نہ صرف دوزخ کو دیکھ سکتے ہیں بلکہ وہ اس کی روشنی میں جنت کے حقائق کو بھی دیکھ کر پہچان سکتے ہیں، اور یہ سب کچھ مرجانے سے قبل اسی دنیا میں مکمل ہو جانا چاہیے، تاکہ علم الیقین کے بعد عین الیقین کا درجہ حاصل ہو۔

## عین الیقین :-

عین الیقین کے معنی ہیں یقین کی آنکھ جس سے دیدہ دل اور شہم باطن مراد ہے، انسان اسی باطنی آنکھ سے اپنی رُوح اور رُوحانیت کو دیکھتا اور پہچانتا ہے، عالم رُوحانیت اور جنت کی ہر چیز کا مشاہدہ کر سکتا ہے، اور معرفت اسی مقام پر مکمل ہو جاتی ہے۔

اگر کسی مومن کو ابھی یہ مقام حاصل نہ ہو سکا ہے تو جاننا چاہیے کہ اس کے علم الیقین میں کمی ہے یا عبادت و ریاضت اور حقیقی محبت میں کوتاہی ہے، لہذا مومنین کو چاہیے کہ وہ اخلاص و محبت سے امام زمان کی مکمل تابعداری کرتے ہوئے ذکر و عبادت اور حقیقی علم کیلئے جدوجہد کریں، تاکہ خدا و رسولؐ کی خوشنودی سے امام کی دستگیری اور نورانی ہدایت حاصل ہوتی رہے جس سے بڑی آسانی کے ساتھ علم الیقین اور عین الیقین کا درجہ حاصل ہو۔

Institute for  
Spiritual Wisdom  
and  
Luminous Science

Knowledge for a united humanity

# نور کی کیفیت و حقیقت

نور کے لفظی اور لغوی معنی روشنی کے ہیں، اور دینی اصطلاح میں اسے نورِ ہدایت مُراد ہے، جو علم و حکمت اور یقین و معرفت کا سرچشمہ اور دین و دنیا کی رہنمائی کا وسیلہ ہے، وہ پروردگارِ عالم کا نور ہے، جو انسانِ کامل کے لباسِ بشریت میں طُبوس ہو کر ہادی برحق صلوات اللہ علیہ کی شہیت سے دنیا میں موجود اور حاضر ہے، چنانچہ قرآن حکیم میں جگہ جگہ اس نورِ خداوندی کا ذکر آیا ہے، وہ ہر لحاظ سے کامل و مکمل اور زندہ نور ہے، جس کی تمام ہدایات شکوک و شبہات سے پاک و پاکیزہ ہیں، اس کی روشنی میں نہ صرف آسمان و زمین کی حقیقتیں روشن اور محدود ہو کر سامنے آتی ہیں، بلکہ وہ اول و آخر اور ظاہر و باطن کے جملہ احوال پر بھی روشنی ڈالتا ہے، کیونکہ وہ ہر اعتبار سے خدائے قادرِ مطلق کا نور ہے۔

## نور کی تعریف :-

اگر کوئی شخص سوال کرے کہ نور کی تعریف کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نور جہاں طلوع ہوتا ہے وہاں وہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اس کے ظہور کی ضیا پاشیوں سے ظلمتیں مٹ جاتی ہیں، اس کے معنی یہ ہوتے کہ نور کی ایک خاص صفت ظہور ہے، لہذا وہ نہ صرف خود ظاہر ہو جاتا ہے

بلکہ ساتھ ہی ساتھ اندھیروں میں چھپی ہوئی چیزوں کو بھی آشکارا اور اجاگر کر دیتا ہے۔

## نور کی قسمیں :-

جیسا کہ اس موضوع کی تمہید سے ظاہر ہے کہ ہم یہاں جس نور کے بارے میں کچھ تذکرہ کرنا چاہتے ہیں وہ صرف روحانی نور ہے مادی قسم کی روشنی نہیں، اور نہ ہی ظاہری اور دنیاوی روشنی سے یہاں کوئی بحث مقصود ہے، مگر ہاں اس سے مثال لی جاسکتی ہے، چنانچہ جانتا چاہتے کہ روحانی یا دینی نور کی تین قسمیں ہیں، یا یوں کہا جاتے کہ نورِ ہدایت حقیقت میں تو ایک ہی ہے مگر اس کے تین پہلو ہیں، جو اخلاقی، روحانی اور عقلی پہلو ہیں، اسی معنی میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسانی ہدایت کے لئے تین انوار مقرر ہیں، کیونکہ ظاہر و باطن میں جو وجود و ہستی ہے وہ تین قسم کی ہے، وہ عقلِ کل، نفسِ کل اور جسمِ کل (کائنات) ہے، نیز انسان کا قیام و قرار بھی تین چیزوں پر ہے، یعنی عقل، نفس اور جسم، پھر اس کی ذاتی دنیا میں بھی تین ہی چیزیں عقل و دانش، دنیا سے روح و روحانیت اور دنیا سے جسم و بشریت ہیں، اور عالمِ لاہوت یعنی ذاتِ وحدت کے تحت عوالم بھی تین ہیں، مجرور، ملکوت اور ناسوت، پس ان تمام مثالوں سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ نورِ ہدایت کے مدارج تین ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو جسم، روح اور عقل کے مقام پر برابر برابر ہدایت دی جاتے۔

نورِ ہدایت کے تین قسموں میں ہونے یا اس کے تین پہلو ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ہادی برحق نہ صرف عقل اور رُوح کے اعتبار سے نورِ خداوندی ہیں بلکہ آپ کے جسم پاک کو بھی یہ فضیلت حاصل ہے، کیونکہ اگر جسم کے بغیر عقل و رُوح کے لئے دُنیا والوں کی ہدایت و رہنمائی ممکن ہوتی، تو اس صورت میں فرشتوں کو رُوتے زمین کے پیغمبر اور امام بنا کر بھیج دیا جاتا، مگر امر واقعی ایسا نہیں ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ عالمِ بشریت او دُنیا تے جسمانیت میں صرف جسم ہی کے وسیلے سے عملی ہدایت کا نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے، اس لئے عالمِ ظاہر میں جسم ہی نور کا کام انجام دے سکتا ہے، پس اس معنی میں ہادی زمان کا مقدس جسم نورِ ہدایت کا ابتدائی پہلو ہے یا کہ یہ ظاہری نور ہے۔

## اخلاقی نور :-

دُنیا تے انسانیت میں جہاں جہاں بڑی عادتوں کے ساتے پاتے جاتے ہیں وہ بد اخلاقی کی تاریکیاں ہیں، جن کا ازالہ صرف اور صرف اخلاقِ حسنہ ہی کے نور سے ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ پروردگارِ بزرگ و برتر نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انسانی سیرت و کردار کا اعلیٰ ترین نمونہ بنا کر بھیجا، جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے کہ :-

وَ اِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۴ / ۶۸

اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ یعنی

آپ نیک عادتوں کے درجہ کمال پر فائز ہیں، تاکہ آپ کے ہر قول و فعل کے وسیلے سے لوگوں کو نورِ ہدایت کی روشنی ظاہر ہو، اور اسی اُسوۂ حسنہ کی روشنی کے پیچھے پیچھے جاوے مستقیم پر چلا جائے۔

قرآنِ پاک نے آنحضرتؐ کو سراجِ منیر (روشن چراغ) قرار دیا

ہے (۳۳/۲۶) اور اس صفت کا اطلاق سب سے پہلے حضورِ انورؐ کی مبارک و مقدس شخصیت پر ہوتا ہے، کیونکہ جن باسعادت انسانوں نے رسولِ خداؐ سے دین کی ابتدائی روشنی حاصل کر لی، وہ آپؐ کی شخصیت کے وسیلے سے تھی، یا یوں کہا جائے کہ جس روشن چراغ کو دنیا میں بھیجا گیا تھا، اس کا کام یہ تھا کہ عقل و روح کے نور سے پیشتر انسانیتِ اخلاق کی روشنی پھیلاتے، پھر روح اور عقل کی طرف رہنمائی کرے، کیونکہ انسان کی تخلیق میں بھی یہی ترتیب ہے کہ سب سے پہلے جسم بنتا ہے، اس کے بعد روح آتی ہے اور آخر میں عقل کی تکمیل ہوتی ہے۔

اگر کوئی شخص مذکورہ بالا وضاحت کے باوجود یہ سوال کرے کہ ہادی برحق کی شخصیت نورِ ہدایت میں شامل ہے یا کہ اس سے الگ ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانِ کامل کی جسمانیت و شخصیت نور میں شامل ہے، کیونکہ اخلاق، روح اور عقل کی روشنی جسم کے سہارے کے بغیر ناممکن ہے، یہی سبب ہے کہ قرآنِ حکیم (۲۴/۳۵) میں جس طرح نورِ ہدایت کی تشبیہ ایک روشن چراغ سے دی گئی ہے، اس میں نہ صرف شعلہ اور روشنی کو نور کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ

ساتھ طرفِ چراغ اور طاق کو بھی نور قرار دیا گیا ہے، جیسے ارشاد ہوگا ہے کہ :-

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثل ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے جس میں ایک روشن چراغ ہو ۲۴/۳۵ آپ دیکھتے ہیں کہ نور خداوندی کی اس پُر جھمکت مثال میں نہ صرف شعلہ اور روشنی ہی کا ذکر ہے بلکہ اس میں طرفِ چراغ اور طاق کو بھی شامل کیا گیا ہے، اس سے یہ ثبوتِ ملا کہ پیغمبرِ اسلامؐ اور امامِ اطہرؑ کے اخلاق، رُوح اور عقل کے ساتھ شخصیت اور خاندان بھی نور کا حصہ ہے، جبکہ شخصیتِ خدائی نور کے طرفِ چراغ کی مشیت سے اور خاندانِ طاق کی طرح ہے جس میں چراغ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرتؐ کے «رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ» ہونے کے جو جو معانی ہیں، ان میں ایک بُنیادی اور اہم بات یہ بھی ہے کہ شروع سے لے کر آخر تک دُنیا تے انسانیت میں جو کچھ انسانی اور اخلاقی خوبیاں پاتی جاتی ہیں، وہ سب کی سب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقی نور کے طفیل سے ہیں، ورنہ تمام جہانوں کے لئے سرورِ انبیاءؑ کو رحمت بنا کر مبعوث کر دینے کے معنی اُدھورے رہ جاتے ہیں، لیکن یہ بات الگ ہے کہ کوئی شخص حضورؐ کی انسانیت و اخلاق کی روشنی کے بعد آپ کے رُوحانی اور عقلی نور کے فیض کو بھی قبول کرتا ہے یا نہیں۔

## رُوحانی نُور :-

اس دُنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں، جو ہمیشہ سے رُوح اور رُوحانیت کی تاریکی میں مبتلا اور اُنروی حقیقتوں سے مُنکر ہیں، کیونکہ وہ عقیدہ اور مذہب سے کوئی تعلق اور دلچسپی نہیں رکھتے ہیں، ان کے نزدیک یہی ظاہری اور دُنیاوی زندگی سب کچھ ہے، حالانکہ مذہب کی نظر میں رُوحانیت اور آخرت بدرجہا بہتر اور برتر ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رُوح اور رُوحانیت کے اندھیروں کو دُور کر دینے کے لئے رُوحانی نُور کو مقرر فرمایا، یعنی ہر زمانے میں ایک مادی برحق کی مبارک و مقدس رُوح کو رُوحانی روشنی کا سرچشمہ قرار دیا، تاکہ اہل بصیرت کے لئے دُنیا سے رُوحانیت دُنیا سے مادیت سے کہیں زیادہ تابان و درخشان ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ : اور (اے محمدؐ) ، ہم نے تم کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے ، ۲۱/۱۰۰ اس کے یہ معنی ہیں کہ نورِ محمدی مشیتِ الہی کے مطابق عالمِ لاہوت سے طلوع ہوا، اور ہمیشہ کے لئے یہ پاک نورِ علم و حکمت اور رشد و ہدایت کی شکل میں جبروت، ملکوت اور ناسوت میں جاری اور باقی رہا، جاننا چاہیے کہ مثال کے طور پر ناسوت جو انسانوں کی دُنیا ہے سب سے نیچے ہے، ملکوت جو ارواح و ملائکہ کی دُنیا ہے اس سے اُوپر ہے، جبروت جو جلالی فرشتوں

اور صفاتِ خداوندی کا عالم ہے اُس سے بھی اوپر ہے، اور لاہوت جو عالم وحدت یا عالم ذات ہے سب سے اوپر ہے، اور اصل میں بلندی کی یہ ترتیب مکانی نہیں بلکہ شرعی ہے۔

خدا تے رحمان و رحیم نے تینوں عالم میں ہدایت و رحمت کے نور کو اس لئے مقرر فرمایا کہ انسان جو ذاتِ احد کے حضور سے اس دُنیا میں آیا ہے، اور جس کو بحکم ”اِنَّا اَلِیْہِ رَاجِعُوْنَ“ خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اس کی اس ہدایت و رحمت سے دستگیری اور مدد کی جاتے کیونکہ خداوند خوب جانتا تھا کہ انسان جو ہر طرح سے کمزور ہے وہ خدا کی نصرت و یاری کے بغیر اس دور و دراز سلسلہ سفر میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کو یہ امر منظور ہوا کہ وسیلہ نور ہدایت سے اس کی دستگیری اور یاری کی جائے، اور قدم بقدم، منزل بمنزل اور عالم بعالم رہنمائی کرتے جوتے اس کو اصل مرتبہ پر پہنچا دیا جائے۔ یہ اہل طریقت کا سب سے بڑا پسندیدہ تصور ہے کہ سالک صادق کو سب سے پہلے مُرشدِ کامل میں فنا ہو جانا چاہیے، تاکہ وہ اس وسیلہ سے رسولؐ میں فنا ہو سکے، اور پھر رسولؐ کے ذریعے سے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا درجہ حاصل کر سکے، اس بیان سے ایک طرف تو یہ حقیقت واضح اور روشن ہوتی کہ نورِ ہدایت کی ضرورت و اہمیت نہ صرف عالمِ ناسوت ہی میں ہے بلکہ ہمیشہ سے بحکمِ خدا عالمِ ملکوت اور عالمِ جبروت میں بھی اسی کی کار فرمائی جاری و ساری ہے دوسری طرف یہ ظاہر ہوا کہ سالک کی

منزل مقصود فنا فی اللہ ہے، یعنی اسے مرتبہ آخرین میں جا کر اپنی ہستی اور  
انانیت کو خدا کی حقیقت میں ختم اور فنا کر دینا ہے اور خدا کی ازلی وابدی  
 وحدت میں زندہ ہو جانا ہے۔

## روحانیت کی تدریجی روشنی :-

انسان فطری طور پر ایسا ہے کہ وہ ہر میدان میں پہلے پہل کمزور  
ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے، اسی قانونِ فطرت کے مطابق  
روحانی روشنی شروع شروع میں بہت ہی کم اور مدہم دکھائی دیتی  
ہے، اور پھر بتدریج اس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، تا آنکہ ایک دن یہ  
انتہائی تیز روشنیوں کی ایک طوفانی دنیا بن کر سامنے آتی ہے، اور یہ سب  
سے بڑے امتحان کا مرحلہ ہوتا ہے۔

روحانیت کی ابتدائی روشنی ایک اعتبار سے مادی روشنی کے  
مشابہ ہوتی ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ کئی اعتبار سے اس سے مختلف  
بھی ہے، کیونکہ روحانی نور ایک ایسی غیر مادی حقیقت ہے جو جسم کی کیفیتاً  
وصفات سے پاک و برتر اور زمان و مکان کی قید سے باہر ہے، وہ ظاہری  
روشنی سے بدرجہہ انتہا اعلیٰ، افضل اور اکمل ہے، نہایت ہی خوبصورت،  
یچھد دکھش اور از بس جاذبِ نظر ہے، اس کی رُوح پرور رنگینیاں  
دلفریب دنیا پاشیاں اور مسترت بخش درخشنا نیاں ہیئتال ہیں اور وہ  
معجزاتِ روحانیت اور تجلیاتِ نورانیت کی ایک رنگین پُرہا رُ دنیا ہے،

جو زمین و آسمان کی تمام اشیاء کے روحانی ضمن و جمال کی منظر کا طہ ہے، لہذا لمحہ بر لمحہ اس کے ظہورات و تجلیات کی گونا گوں تسکلیں بدلتی رہتی ہیں، اس کی ہر ہر چیز شہکارِ قدرت اور غورۂ حکمت ہونے کے باعث اپنی جانفزا تجلیوں سے دیدہ دل کر بہت کچھ ٹھنڈک عطا کر دیتی ہے۔

روحانی نورِ خدا کا ہے جو رسول میں تھا اور رسول کا ہے جو امام میں ہے، یہ روشنی خود دل کی دنیا بھی ہے اور دل کی آنکھ بھی، وہ روح بھی ہے اور روحانیت بھی، آخرت بھی ہے اور جنت بھی، یہ غذائے جاں بھی ہے اور دلِ دماغ کی راحت بھی، کیونکہ دراصل روح خود ہی سب کچھ ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے (۱۷/۸۵) بلکہ ظہورِ روح اور مشاہدہ روحانیت کے اس اعلیٰ مقام پر یہ خود ہی عالمِ امر ہے، لہذا یہاں روح ہر وقت ”کُن فیکون“ کے ظہور و تجلیات کی آئینہ داری کرتی رہتی ہے، یعنی مشاہداتِ روح اور روحانیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رب العزت ”کُن“ کے امر سے کس طرح ہر چیز کو وجودِ نوآئی عطا کر دیتا ہے اور کس طرح اس کلمہ کے تحت عالمِ روحانیت میں ہر وقت چیزیں ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں۔

## رنگِ روحانیت :-

ویسے ایک اعتبار سے دیکھا جاتے تو بارغ کائنات اور گلشنِ موجودات کے ظاہر کی تمام چیزوں کے حسن و جمال کی لطافت و رنگینی بھی خدا کی طرف سے ہے، تاہم دوسرے اعتبار سے اس قادرِ مطلق اور حکیمِ برحق کا خصوصی اور امتیازی رنگِ روح و عالمِ روحانیت ہی میں پوشیدہ ہے، جو نورِ ہدایت

اور اسلام و ایمان کا رنگ ہے، جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ :-

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً

وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ ۱۳۸/۲ اللہ کے رنگ کی بات کرو

اور خدا تعالیٰ رنگ سے بہتر کون سا رنگ ہو سکتا ہے اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ یعنی نصاریٰ سے کہو کہ ظاہری رنگ چھڑکنے (بچوں کو پستیمہ دینے) سے معرفت اور نجات حاصل نہیں ہوتی، یہ تو ایمان اور رُوح و رُوحانیت کے رنگ میں رنگ جانے سے حاصل ہوتی ہے یہی اللہ کا رنگ ہے اور رنگینی عطا کرنے میں خدا سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔

رنگِ رُوحانیت کا تذکرہ قرآن حکیم کی ان آیات کریمہ میں کثرت سے ملتا ہے جو نور، قیامت اور جنت کے موضوعات سے متعلق ہیں اور اس کے علاوہ قرآن کریم میں جہاں کہیں کسی رنگینی کا ذکر آیا ہو، اس میں بھی اکثر رنگِ رُوحانیت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، مثال کے طور پر سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۶۹ میں بنی اسرائیل کے جس بیل کے منترت بخش زرد رنگ کا بیان آیا ہے، اس کی تاویل مراد رُوحانی رنگ ہے، جس کو بندۂ مومن ہادی برحق کے وسیلے سے اپنے باطن میں دیکھتا ہے، یہ زبردست خوشی اس رنگِ رُوحانیت کے اولین مشاہدہ سے بھی ہے اور ول کی آنکھ کے پہلی بار کھل جانے سے بھی، ورنہ محض زرد رنگ کے ایک ظاہری اور دنیاوی بیل کو دیکھنے سے کسی کو کونو

آنی ساری مسرت و شادمانی ہو سکتی ہے کہ جس کا ذکر بڑے اہتمام سے خدا  
خود کرے۔

## رُوحانی قوتیں :-

جس طرح رات کی تاریکی دُنیا کی چیزوں کو چھپا لیتی ہے اور  
دن کی روشنی انکو ظاہر کر دیتی ہے، اسی طرح نُورِ ہدایت رُوح اور رُوحِ  
کی اُن تمام چیزوں کو ظاہر اور نمایان کر دیتا ہے، جو غفلت و جہالت کی ظلمت  
میں پوشیدہ ہیں، اسی سلسلے میں رُوحانیت کی گونا گون قوتیں اور طرح  
طرح کے صلاحیتیں اُجاگر ہو جاتی ہیں، جن میں رُوحانی طور پر دیکھنا، سُنا،  
سونگھنا، بولنا اور چھونا خاص ہیں، ان پانچ قوتوں کو سو اس خمسہ باطنی  
کہتے ہیں، جن کے توسط سے نُورِ ہدایت مومنین کے باطن میں طلوع  
ہو جاتا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ نُورِ ہدایت نہ صرف رُوحانی روشنی  
کی کیفیت میں رہبری و رہنمائی کرتا ہے، بلکہ یہ رُوحانی اور نُورانی طور  
پر سُنے، سونگھنے، بولنے اور چھونے کی صورت میں بھی ہر قسم کی ہدایت  
دیتا ہے۔

نُورِ ہدایت کن کن کیفیات میں اور کیسے کیسے طریقوں سے مومنین  
کی مدد، دستگیری اور رہنمائی کرتا ہے، اس کے لئے اس حدیثِ قدسی  
میں ذرا غور کیا جاتے، اور وہ ارشاد یہ ہے کہ: میرا بندہ ہمیشہ نوافل  
کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا ہے، یہاں تک کہ میں اُس سے محبت

کرنے لگتا ہوں، جب میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں، تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے، اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے (بحوالہ صحیح بخاری جلد سوم،

باب ۸۴۴، حدیث نمبر ۱۱۴۲۲)

اہلِ دانش کو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اوصافِ ہادتی برحق کے ہیں، جو نورِ ہدایت ہے، جس کو انسانیت کے ظاہر و باطن میں فراتِ سبمان کی خلافت و نیابت اور نمائندگی کا عظیم شرف حاصل ہے۔ چنانچہ اس کی ہدایت و رہنمائی کا عمل خُدا کا فعل قرار پاتا ہے، ورتہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک و برتر ہے کہ وہ بذاتِ خود اپنے بندے کا کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جاتے۔

مذکورہ بالا تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ نورِ جسمانی، روحانی اور عقلی قوتوں کا سرچشمہ اور ہر قسم کے احساس و ادراک کا ذریعہ ہے، لہذا نور کے بہت سے معانی ہیں اور وہ سب کچھ ہے، مثال کے طور پر جب نور سے ہدایت و رہنمائی مراد ہے تو یہ صاف ظاہر ہے کہ آنکھوں کی ہدایت روشنی کی صورت میں ہو سکتی ہے، کاتوں کی ہدایت کلام کے بغیر ناممکن ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نور آواز و ندا کی کیفیت میں بھی ہے، اگر ناک کو بھی ہدایت کا کوئی حصہ ہے تو وہ خوشبوؤں کی شکل میں مناسب ہے، اور یہ حقیقت ہے، چنانچہ ثابت ہوا کہ نور

کی ایک کیفیت بہت کی خوشبو کی طرح بھی ہے، زبان کی ہدایت قدرتی اور معجزاتی گفتگو کی مشیت میں ہے، کہ جس سے وہ خود بخود بولنے لگے، اور اسی طرح نور چھوٹنے کی قوت بن کر بھی آتا ہے۔

نور عالم دین کا سورج ہے یا یوں سمجھ لینا کہ نور خدا کا بجلی گھر ہے، اب آپ مادی اور سائنسی طور پر خوب سوچیں کہ سورج اور پاور ہاؤس سے کیا کیا چیزیں بنتی ہیں اور کیسی کیسی طاقتیں وجود میں آتی ہیں، ظاہر ہے کہ آفتاب عالماتاب سے صرف روشنی مراد نہیں اور نہ ہی بجلی گھر سے صرف روشنی کا کام لیا جاتا ہے، بلکہ مادی طاقت کے ان دو قسموں میں لاتعداد چیزیں اور بے شمار قوتیں پنہان ہیں جن کو صرف سائنسدان ہی جانتے ہیں، پھر اسی مثال کی مدد سے آپ عقل و جان کے نور کے بارے میں سوچیں اور درمیان میں جو فرق و تفاوت ہے اس کو بھی پیش نظر رکھیں، کہ مادی نور عقل و جان کی صفت سے عاری اور دین و دانش کی دولت سے خالی ہے، اور روحانی نور عقل و جان کے اوصاف کمال کے اس مرتبہ اعلیٰ پر ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اسے روتے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے۔

عقلی نور :-

یہ جانتا از بس ضروری ہے کہ نور کا سب سے اونچا مرتبہ عقلی کیفیت میں ہے، درمیانی درجہ روحانی صورت میں ہے، اور سب سے نیچا مقام

جسمانی شکل میں ہے، ہرچند کہ عقل، رُوح اور انسانی جسم ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں، دوسرے الفاظ میں اس مطلب کو یوں ادا کرنا چاہتے کہ ہادی برحق صلوات اللہ علیہ کی شخصیت کا نور ظاہر ہے، اس کی روح کا نور باطن ہے اور اس کی عقل کا نور باطن سے بھی باطن ہے، اس کے معنی یہ ہوتے کہ نور عقل کا ادراک رُوحانیت کے آخری مراحل میں ہوتا ہے اور وہ اکثر رُوحانیت کی اعلیٰ مثالوں میں متشکل ہو کر سامنے آتا ہے، ورنہ وہ اپنی مجرد صورت میں نظر آنے والی چیز نہیں، یہی سبب ہے کہ میں نے اس کو باطن سے بھی باطن قرار دیا ہے۔

نور ہدایت اپنے جسم کے توسط سے علم الیقین کی روشنی پھیلاتا ہے، رُوح کے ذریعے سے عین الیقین کی روشنی مہیا کرتا ہے اور عقل کے وسیلے سے حق الیقین کی روشنی پہنچاتا ہے، اور مومنین ہدایت کے ان فیوض و برکات کو اس طرح حاصل کرتے ہیں کہ سوا اس ظاہر سے علم الیقین کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں، سوا اس باطن سے عین الیقین کے ساتھ اور مدارک عقل کے ذریعے حق الیقین کا ادراک کر لیتے ہیں۔

ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو کائنات پر کرسی قائم ہے اور کرسی پر عرش کا قیام ہے اور دوسرے اعتبار سے یہ کہنا بھی درست ہے کہ عرش (عقل کل) نے کرسی (نفس کل) کو گھیر رکھا ہے اور کرسی میں کائنات محدود ہے، اس کے معنی یہ ہوتے کہ عقل نور نے رُوحانی نور کو اپنے احاطہ علمی میں لے لیا ہے، اور رُوحانی نور جسم کلی پر محیط

ہے، اس وضاحت سے یہ حقیقت روشن ہو کر سامنے آتی ہے کہ نورِ عقل اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کا تخت ہے، جس پر خدائے پاک و برتر کی حقیقی توحید اور کامل معرفت قائم ہے، اس سے عقلی نور کا مرتبہ ظاہر ہوا۔

کہتے ہیں کہ یہ کائنات ایک عظیم انسان کی طرح ہے کہ اس کی جان بھی ہے اور عقل بھی، یعنی نفسِ کل اور عقلِ کل، اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انسانِ کامل اس معنی میں کامل اور مکمل کہلاتا ہے کہ عقلِ کل اسی کی عقل برتر کا نام ہے، نفسِ کل اسی کی عظیم رُوح کو کہتے ہیں اور جسمِ کل سے اسی کا لطیف جسم مراد ہے جو ساری کائنات پر عادی اور محیط ہے، پس یہی ہادی برحق عقلِ کل بھی ہے اور نفسِ کل بھی، عرش بھی ہے اور کرسی بھی، جیسا کہ مولائے رُوم کا قول ہے:-

عقلِ کل و نفسِ کل مردِ حُمد است

عرش و کرسی را مدان کز وی جُد است

ترجمہ: انسانِ کامل خود ہی بیک وقت عقلِ کل بھی ہے اور نفسِ کل بھی اور عرش و کرسی کے بارے میں بھی یہ سمجھنا کہ وہ اس سے الگ ہیں، یعنی اس کی عقل عرشِ اہلی بھی ہے اور عقلِ کلی بھی، اور اس کی رُوح کرسی بھی ہے اور نفسِ کلی بھی۔

منظہر نورِ عقل :-

چونکہ عقلی نور ایک ایسی حقیقت ہے جو غیر مرتبی ہے یعنی

وہ دکھاتی دینے والی شے نہیں، لہذا پہلے مقام پر اس کی منظر رُوح ہے اور دوسرے مقام پر شخصیت، جیسا کہ ہم اس سے قبل کہہ چکے ہیں کہ اگر شخصیت کا نور ظاہر ہے تو رُوحانیت کا نور باطن ہے اور عقل کا نور باطن سے بھی باطن ہے، جس کی یہاں یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ نورِ عقل اگرچہ از خود نظر نہیں آتا ہے اور صرف ذہنی و فکری طور پر اس کے فیض کا ادراک ہو سکتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ رُوحانیت کی مختلف مثالوں میں متشکل بھی ہو سکتا ہے، اور اس حالت میں جو اس باطن سے عقل کے اس رُوحانی ظہور کا فیضان حاصل کیا جا سکتا ہے۔

نورِ عقل کا ظہور نہ صرف منظرِ رُوحانیت ہی سے ہوتا ہے بلکہ وہ منظرِ شخصیت کے وسیلے سے بھی ظاہر ہوتا ہے، جس کی روشنی سے اہل ایمان جو اس ظاہر کے توسط سے استفادہ کر سکتے ہیں، اور اگر دُنیا میں نورِ عقل کا یہ ظہور نہ ہوتا، تو دُنیا والے سب کے سب گمراہ ہو جاتے۔

## نور کی اصل کیفیت :-

نور کا اصل سرچشمہ عقل ہے، اور عقل کی روشنی ہمیشہ علمی صورت میں نکلتی رہتی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ نور بہالت و نادانی کی تاریکی کو دور کرنے کے لئے مقرر ہے، چنانچہ نورِ عقل ایک ایسے گوہر کی طرح ہے جس سے ہر وقت علم و حکمت کی روشنی پھیلتی رہتی ہے، جیسے

سرچشمہ آفتاب کہ وہ کائنات میں مسلسل ضووفشانی کر رہا ہے، مگر چونکہ نورِ عقل کی روشنی جو علمی کیفیت میں ہے وہ غیر مادی ہے، اس لئے وہ دکھائی نہیں دیتی، اور نہ ہی لاعلمی اور جہالت کوئی ایسی چیز ہے جو ظاہری آنکھوں کے سامنے ہو، پس یہی وجہ ہے کہ ظاہر پرست لوگ دنیا کی روشنیوں اور تاریکیوں کو تو خوب جانتے ہیں، مگر عالمِ دین کی روشنی اور تاریکی کے درمیان فرق و امتیاز نہیں کر سکتے ہیں۔

عقلی نور یا عقلی روشنی اگر ایک طرف سے علم ہے تو دوسری طرف سے وہ ہدایت ہے، کیونکہ علم و ہدایت انجام کار میں ایک ہی چیز ہے یعنی ان دونوں چیزوں کا مطلب اور مقصد ایک ہی ہے، اس لئے کہ علم جاننے کو کہتے ہیں اور حقیقت میں اس کی مراد خدا ہے اور ہدایت کے معنی ہیں راہِ راست پر چل کر منزلِ مقصود کو پہنچ جانا، اور منزلِ مقصود اللہ تعالیٰ ہے، اسی طرح نورِ عقل کی روشنی یقین و معرفت بھی ہے، جس سے شکوک و شبہات کی ظلمتیں اور کفر و انکار کی تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں اور حق الیقین کے مقام پر معرفتِ الہی مکمل ہو جاتی ہے۔

جب یہ حقیقت واضح ہوتی کہ عقلی نورِ علم و حکمت، رشد و ہدایت اور یقین و معرفت کی شکل میں ہوا کرتا ہے، تو یہاں یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ وہ وحی و الہام بھی ہے اور تائید و توفیق بھی، کیونکہ ایسے تمام معانی علم کے معنی میں ایک ہو جاتے ہیں اور ان سارے الفاظ و اصطلاحات کی بنیادی اور آخری حقیقت ایک ہی ہے۔

